جناب شہیر نیازی

آدم جنّتِ ارضی میں

اس کرۂ ارضی پر انسانی زندگی کی ابتدا کے متعلق دو بڑے نظریے کارفرما ہیں۔ اوّل تخلیق اور دوم ارتقا۔ نظریۂ ارتقا ڈارون (DARWIN) نے پیش کیا تھا جو اب قابلِ قبول نہیں رہا، کیونکہ جن لوگوں نے اسے ابتدا میں مان لیا تھا، ان کو کئی بنیادی سوالوں کا جواب نہ مل سکا۔ پہلا سوال یہ ہے کہ سلسلۂ ارتقا میں ابتدائی جوہر (Species) کہاں سے آیا اور اس میں تنظیم و شعور کیسے پیدا ہوا؟ دوسرے یہ کہ سلسلۂ ارتقا ختم کیوں ہو گیا؟ گذشتہ آٹھ نو ہزار سال میں کوئی بندر آدمی بنتا نظر نہیں آتا۔ اس لیے ارتقائے ذہنی تو قابلِ غور ہو سکتا ہے، مگر ارتقائے جسمانی کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ دنیا کے تمام مذاہب میں یہ تصور موجود ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بہت سی عمدہ صفات عطا کر کے اشرف المخلوق اور خلیفۃ اللہ فی الارض کا درجہ دیا۔ لیکن بنیادی سوال یہ ہے کہ حضرت آدم کا مقامِ پیدائش کیا تھا، زمین یا آسمان؟ بعض لوگوں کو یہ گمان رہا ہے کہ حضرت آدم کو آسمانی جنت میں پیدا کیا گیا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج کر مٹی زمین سے منگوائی اور ان کو تخلیق کر کے جنت آسمانی میں رکھا گیا۔ وہاں ایک درخت کے پاس جانے سے منع کیا گیا مگر وہ اور ان کی بیوی حوا اس ابلیس کے کہنے میں آ گئے جو ان کی تعظیم سے انکار کر چکا تھا۔ ان دونوں نے شجرِ ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور دونوں برہنہ ہو گئے۔ ان کو جنت سے نکال دیا گیا اور بالآخر زمین پر پھینک دیا گیا جہاں ان کی اولاد آج تک آباد ہے۔ یہ سارا گمان دو تین الفاظ "جنت" "فرشتے" اور اھبطوا کی وجہ سے پیدا ہوا۔

چند بنیادی سوالات جو ذہن میں پیدا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ حضرت آدم کو کہاں پیدا کیا گیا؟ جنت کا کیا مفہوم ہے؟ وہ جنت کہاں تھی آسمان پر یا زمین پر؟ اگر آسمان والی جنت تھی تو اس میں وہ ناپسندیدہ درخت کیوں تھا؟ کیا وہ درخت اب بھی وہاں ہے اور کیا عقبیٰ میں بھی اسی درخت سے واسطہ پڑے گا؟ اور کیا وہاں سب چیزوں کی طرح اس کا پھل بھی کھایا جائے گا؟ کیا آدم کو بنانے کے لیے مٹی اور دیگر سامان منگانا عجیب سی بات نہیں ہے؟ کیا خداوندِ کریم قادرِ مطلق نہیں ہے؟ کیا حضرت

آدم سے پہلے یہ کرۂ ارض وجود میں نہ تھا؟ چرند، پرند، درند اور آبی مخلوق موجود نہیں تھی؟ جن پہلے سے آباد نہیں تھے؟ فرشتے زمین پر نہیں آتے تھے اور کیا اب موجود نہیں ہیں؟ اور کیا حضرت عزرائیل اور میکائیل اب بھی یہاں مصروف کار نہیں ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سب چیزوں کے نام بتائے تھے تو کیا چیزوں کو دیکھے اور دکھائے بغیر یہ سب کچھ ہوا تھا؟ وہ چیزیں کہاں تھیں؟ زمین پر یا آسمان پر؟ اگر آسمانی جنت سے زمین پر پھینکا گیا تو طریقۂ کار کیا تھا؟ کیا اھبطوا جس کے معنی صرف بلندی سے پستی کی طرف اترنے کے ہیں، اس مفہوم کو ادا کرتا ہے؟ اور پھر اخراج دو قسطوں میں کیوں ہے، ایک دفعہ اھبطوا اور دوسری دفعہ اھبطا منھا جمیعًا۔ یہ سب لوگ کون تھے؟ اگر ان سب باتوں کے جواب قرآن سے نہ ملے تو جنت کو باغ اور پوشیدہ کے معنوں میں زمین کے کسی سرسبز و شاداب خطے کے لیے استعمال کرنے میں کیا قباحت ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالوں پر بحث کرنے سے پہلے قرآن کریم کی ان آیات کا ترجمہ نقل کرنا ضروری ہے جن کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکے۔

۱۔ جب آپ کے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر کو بنانے والا ہوں (ص : ۷۱)

۲۔ اللہ نے کہا کہ اے ابلیس، وہ کیا بات ہے جس نے تجھ کو اسے سجدہ کرنے سے باز رکھا، جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ کیا تو غرور میں آگیا، یا یہ کہ تو بڑے درجے والوں میں ہے، یا تو اپنے آپ کو بڑے درجے والوں میں سے سمجھتا ہے۔ وہ کہنے لگا میں آدم سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔ (اللہ نے) فرمایا۔ تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت کے دن تک۔ کہنے لگا تو پھر مجھ کو مہلت دیجیے قیامت کے دن تک۔ فرمایا تجھ کو مہلت دی گئی، ایک وقت معلوم تک۔ کہا، مجھ کو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو (اجمعین) گمراہ کروں گا۔ سوائے آپ کے ان بندوں کے جو مخلصین ہیں۔ ارشاد ہوا میں سچ کہتا ہوں اور میں تو ہمیشہ سچ ہی کہتا ہوں کہ میں تجھ سے اور تیرا ساتھ دینے والوں سے جہنم کو بھر دوں گا۔ (ص : ۷۵ تا ۸۵)

۳۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ (الحجر: ۲۸)

(اور وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے) جب آپ کے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو کہ سڑے ہوئے گارے کی بنی ہوگی، پیدا کرنے والا ہوں۔

اس سے پیشتر کہ ہم حضرت آدم وحوا کے جنت میں رہنے اور نکلنے پر بحث کریں، مندرجہ بالا آیات پر غور کرنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ یہ پیدائش سے تعلق رکھتی ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے متعلق یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے فرشتوں کو نور (Light) سے اور جنوں کو نار (Fire) سے پیدا کیا گیا تھا۔ سورۂ ص کی آیت ۷۱ میں خداوندِ کریم نے صرف مٹی فرمایا لیکن اس کی وضاحت دیگر آیات سے قرآن کریم میں کی گئی ہے اور سورۂ الحجر میں یہ فرما کر مٹی کی نوعیت واضح کر دی کہ وہ مٹی جس سے حضرت آدم کو بنایا گیا، ایک طرح کا سڑا ہوا گارا تھا جو غالباً خشک ہو گیا تھا، اس لیے کہ اسے صلصال یعنی کھنکھناتی ہوئی مٹی فرمایا گیا ہے۔ اب چاہے کوئی لاکھ کہے کہ وہ مٹی جس سے حضرت آدم کو بنایا گیا ایسی نہیں تھی جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے تو وہ بات غلط ہو گی۔ اللہ کا قول سچا ہے اور کوئی خدا کو جھٹلانے کا حق نہیں رکھتا۔ خدا کے نبی اور رسول کبھی کوئی بات خدا کے کلام کو رد کرنے کے لیے نہیں فرماتے۔ یہ سنتِ انبیا کے خلاف ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ سڑی ہوئی گارے کی مٹی کہاں تھی، زمین پر یا آسمان پر؟ بعض مفسرین کا یہ خیال ہے کہ مٹی آسمان پر منگوائی گئی تھی۔ ایک یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا خداوندِ کریم نے تمام نباتات وجمادات اور دیگر اشیا کو جو مٹی سے پیدا کی گئی ہیں، آسمان پر تخلیق کیا؟ کیا اس "کاکن کہنا کافی نہیں ہوتا؟ کیا قرآن کریم میں کوئی ایسا اشارہ موجود ہے کہ جس سے مٹی کا آسمان پر جانا اور حضرت آدم کا وہاں تخلیق ہونا ظاہر ہو سکے۔ یہ تمام مفروضہ صرف فرشتوں کے سجدہ اور لفظ جنت سے پیدا ہوا ہے۔ جنت کے معنی باغ اور پوشیدہ کے ہیں۔ جن بھی اسی مخرج سے ہے۔ خداوند کریم فرماتا ہے کہ وہ جنت جس میں لوگ جزا کے طور پر جائیں گے، اس کا وعدہ غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ جنت اور دوزخ جو جزا اور سزا کے لیے مخصوص ہیں، آج تک بشر کی آنکھ سے اوجھل ہیں۔ قرآن کریم بار بار وہاں کی نعمتوں کا، پھلوں کا، نہروں کا اور حور وقصور کا ذکر فرماتے ہوئے زور دیتا ہے کہ وہ ایسی چیزیں ہیں کہ بشر ان کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر حضرت آدم وحوا وہاں سے آتے تو وہ ضرور اپنے بچوں کو اور خصوصاً ان بیٹوں کو جو یکے بعد دیگرے نبی بنتے گئے، جنت کی نعمتوں کا ذکر سناتے اور یہ روایات اولادِ آدم کے ذریعے حضرت نوحؑ و ابراہیم کے علاوہ ساری دنیا کی روایات میں شامل ہوتیں، مگر ایسا نہیں ہے۔ رہا فرشتوں کا سجدہ کرنا۔ فرشتے تو جب اللہ تعالیٰ چاہے زمین پر آجاتے ہیں۔

رسول اللہ کی نصرت کے لیے جوق در جوق آئے ہیں - پہاڑوں، دریاؤں، سمندروں کے فرشتے مقرر ہیں - بارش اور موت کے فرشتے چوبیس گھنٹے زمین پر مصروف کار ہیں - حضرت جبرئیل امین تو مسلسل زمین پر آتے جاتے رہتے ہیں - کراماً کاتبین اور منکر نکیر بھی فرشتے ہیں، اور وہ سجدۂ تعظیمی جو فرشتوں نے حضرت آدم کو کیا، آسمان پر ہوتے ہوئے بھی زمین کے لیے اور زمین پر ہوتے ہوئے آسمان کے لیے ادا ہو سکتا ہے - روایات کے مطابق عزازیل (ابلیس) نے زمین کے چپے چپے پر عبادت کی تھی نہ کہ آسمان کے چپے چپے پر - حضرت آدم کی پیدائش سے پہلے زمین پر جنوں کی نافرماں برداری کے تدارک کے لیے بھی فرشتے بڑی تعداد میں زمین پر آئے تھے - فرشتوں کے سجدے سے مراد حضرت آدم کی برتری اور خلافت کا اقرار ہے - جب حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام اور خواص سکھائے گئے، وہ سب چیزیں زمین پر تھیں، ان کا وہ علم موروثی طور پر اولادِ آدم کو آج بھی نصیب ہے اور انسان تمام اشیا کے ناموں اور کاموں سے واقف ہے - بہرحال جنت اور فرشتوں کے سجدے سے جو راہ ہموار ہوئی وہ یہ تھی کہ زمین سے سڑے ہوئے گارے کو آسمان پر لے جانا ثابت کیا جائے تاکہ یہ دونوں لفظ نبھ جائیں - ورنہ قرآن کریم نے تو دو ٹوک فیصلہ زمین کے حق میں دیا ہے -

ایک دوسرا رخ جس سے اس مسئلے پر بحث کی جا سکتی ہے وہ "شجرِ ممنوعہ" کا وجود ہے - اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو پیدا کرنے کا اعلان فرمایا تو فرشتوں نے کہا کہ ہم تو تیری ہر وقت حمد و ثنا میں مصروف ہیں، تو کیا تو زمین میں ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو فساد کریں گے اور خون بہائیں گے پھر حضرت آدم اور فرشتوں کے علم کے فرق پر قرآن کریم نے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ فرشتوں کو ان تمام اشیا کے نام معلوم نہیں تھے جو حضرت آدم کو سکھا دیے گئے تھے - ظاہر ہے یہ اشیا دنیا کی تھیں اور فرشتے ان سے واقف نہیں تھے - زمین کی نباتات و جمادات اور حیوانات آسمان پر موجود نہیں ہیں - وہاں جو کچھ ہے وہ یہاں نہیں ہے - (البقرہ: ۳۰ تا ۳۹) - اسی سورہ میں اللہ نے فرمایا کہ "اے آدم تم اور تمھاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے جو چاہے کھاؤ، مگر اس درخت کے قریب نہ جانا، وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِينَ ۝ (البقرہ، ۳۵) ورنہ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے - اسی آیت میں فرمایا "پھر شیطان نے ان دونوں کو ورغلا کر

غلطی کرائی اور ان کو وہاں سے نکلوا دیا فَاَخْرَجَهُمَا (اور ہم نے کہا) اهبطوا (نیچے اترو) اب تم میں سے بعض بعض کے دشمن رہیں گے۔ یہاں تمھارے ایک وقتِ مقرر کے لیے ضروریاتِ زندگی مہیا کی گئی ہیں۔ (البقرہ : ۳۶)۔ پھر حضرتِ آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھے۔ توبہ کی اور اللہ نے توبہ قبول فرمالی، اس لیے کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ اسی تسلسل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا ط (البقرہ : ۳۸) ہم نے کہا: تم سب کے سب یہاں سے اُتر جاؤ)۔ یہ دوسری دفعہ "سب کے سب" کہاں سے نکلے اور "سب کے سب" کون تھے؟ اس مسئلے کو بعد میں حل کریں گے، پہلے یہ دیکھ لیں کہ یہ شجرِ ممنوعہ کیا تھا؟ مندرجہ بالا حوالے میں صرف منع کیا گیا ہے، پہچان نہیں بتائی گئی۔ دوسری جگہ بتایا گیا ہے کہ "پھر شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے پردے کا بدن جو ایک دوسرے سے پوشیدہ تھا، بے پردہ ہو جائے اور کہنے لگا کہ تمھارے رب نے تم دونوں کو اس درخت اور کسی سبب سے منع نہیں فرمایا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ تم کہیں فرشتے نہ ہو جاؤ (الانعام : ۲۰، ۲۱)

"اور جب ان دونوں نے ابلیس کے کہنے میں آکر اس درخت کا پھل چکھا تو دونوں کے پوشیدہ اعضا ایک دوسرے پر عیاں ہو گئے اور ان دونوں نے پتوں سے اپنے ستر کو چھپایا" (الانعام: ۲۲)

اس آیۂ کریمہ سے بات بالکل واضح ہو گئی ہے، مگر یہودیوں، نصرانیوں اور بعض مفسرین نے بات کا بتنگڑ بنا دیا، کسی نے کہا یہ شجرِ علم تھا۔ کسی نے کہا شجرِ حیاتِ جاوداں۔ کسی نے اس کو گندم کا درخت قرار دیا تو کسی نے انگور اور انجیر کا۔ یہ سوچے بغیر کہ اگر کوئی پوچھ لے کہ کیا اللہ نے آدم کو جاہل رکھنا چاہا تھا۔ اللہ نے تو آدم کو خود سب سے زیادہ علم سے نوازا تھا۔ لافانی ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اوّل و آخر تو صرف خدا ہے۔ اب رہ گئے گندم، انگور اور انجیر، یہ سب تو آج بھی حلال ہیں، بلکہ انجیر اور زیتون کو تو خدا نے "وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ" فرما کر اہمیت دی ہے۔ قرآن کریم اپنی تفسیر خود اپنے آپ فرماتا ہے۔ مندرجہ بالا آیات سے شجرِ ممنوعہ کے پھل کی تاثیر سامنے آگئی اور وہ یہ کہ حضرتِ آدم اور حضرت حوا پھل کھانے سے پہلے مرد اور عورت کے فرق اور ضرورت سے ناواقف تھے۔ جب انھوں نے یہ پھل کھایا تو ان کے ستر ایک دوسرے پر کھل گئے اور انھوں نے ایک دوسرے کو جنسِ مخالف کی حیثیت سے پہچان لیا اور وہ ہوائے خام نہیں بلکہ سچ مچ کے میاں بیوی بن گئے۔ ورنہ وہ

دونوں صرف ایک دوسرے کے ساتھی تھے۔ اس لیے اس شجر کو سوائے "شجر تشخیص جنس" (Sex Tree) کے اور کچھ بھی قرار نہیں دے سکتے۔ یہاں پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ شجرِ ممنوعہ آسمانی جنت میں تھا یا جنتِ ارضی میں؟ کیا یہ درخت وہاں حضرتِ آدم سے پہلے موجود تھا۔ اگر تھا تو فرشتوں کو ممانعت تھی یا نہیں؟ کیا وہاں کی ایسی جنت میں جہاں سوائے خیر کے اور کچھ نہیں ہے صرف حضرت آدم کو آزمانے کے لیے پیدا کیا گیا تھا؟ مگر ثبوت کیا ہے اور پھر اگر یہ وہاں موجود ہے تو کیا یہ جنتیوں کے لیے پریشانی کا باعث نہیں بنے گا؟ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت آدم اس جنت میں تھے جو آسمان پر ہے اور اچھے اعمال کی جزا ہے۔ وہاں شجر ممنوعہ بھی تھا۔ ورنہ یہ شجرِ ممنوعہ تو جنتِ ارضی میں تھا جو اس جنت کے غرق ہونے کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوا جیسا کہ آگے چل کر میں بتاؤں گا کہ وہ جنت کہاں تھی اور اس کا کیا ہوا۔ آسمانی جنت تو ایک دائمی (خلد) شے ہے۔ شجرِ ممنوعہ کی دلیل سے بھی یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت آدم کو جنتِ ارضی میں پیدا کیا اور رکھا گیا اور پھر وہاں سے باقی کرۂ ارض پر پھیلنے کے لیے نکالا گیا جو مقصدِ تخلیق تھا۔

تیسری ضروری اور اہم چیز اس سلسلے میں لفظ اھبطوا کا استعمال ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی کسی اونچی جگہ سے نیچے آنے کے ہیں، یہاں تک کہ سواریوں پر سے اترنے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ قرآن فصاحت و بلاغت کے معاملے میں بھی بے مثل ہے۔ جس طرح اللہ کے قول کے مقابلے میں کسی کا قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا اسی طرح قرآن کے مقابلے میں کوئی لغت معتبر نہیں رہتی۔ اللہ بڑا علیم و خبیر ہے۔ اسے علم تھا کہ لوگ اھبطوا کے سلسلے میں اونچائی سے مراد آسمان لیں گے، اس لیے اس نے اسی لفظ کو خود اپنے ہی کلام میں دوسرے موقع پر استعمال کر کے وضاحت کر دی۔ "اور جب تم لوگوں نے کہا کہ اے موسیٰ روز کے روز ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر کبھی نہ رہیں گے۔ آپ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لیے ایسی چیزیں کھانے کو دیں جو زمین سے اُگا کرتی ہیں جیسے ساگ، ککڑی، گندم، مسور کی دال اور پیاز۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو ادنیٰ درجے کی چیز کو ایسی چیز کے مقابلے میں جو اعلیٰ درجے کی ہے۔ تم مصر میں جا کر اترو وہاں البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی، جن کی تم درخواست کرتے ہو اور جم گئی ان پر ذلت اور پستی۔ (البقرہ : ۹۱)۔ اس آیت کے

میں اللہ تعالیٰ نے لفظ اھبطوا مصراً فرما کر یہ جتا دیا ہے کہ آدم کو آسمان سے نہیں پھینکا گیا بلکہ ایک ایسے باغ سے جو ایک سرسبز پہاڑ کی چوٹی پر تھا، اس وقت نیچے اتارا گیا جب وہ آتش فشاں کی وجہ سے پھٹنے والا تھا؛ اس باغ میں افراط سے پھل موجود تھے اور موسم تبدیل نہیں ہوتے تھے۔ آگے مفصل بحث آئے گی۔ اللہ کسی کو معاف کرنے کے بعد سزا نہیں دیتا۔ جب توبہ قبول ہو گئی تھی تو یہ نکلنا تو رحمت تھا نہ کہ زحمت۔ مصر ظاہر ہے زمین پر واقع ہے، اور جب یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو من وسلوا سے تنگ آکر مسور کی دال اور پیاز لہسن کھانے کو مانگا تو اللہ نے جواب دیا تو پھر جاؤ مصر واپس جا کر اترو تاکہ یہ چیزیں ملیں۔ بنی اسرائیل مصر کی قید سے چھٹ کر آئے تھے اور یہ ایک تنبیہ تھی۔ جا کر اُترنا تو سوائے سواریوں کے اور کسی چیز سے اترنے کے معنی یہاں دیتا نہیں ہے۔ قافلے کا لوٹنا، لوگوں کا اُترنا اور پڑاؤ کرنا جیسا وسیع مفہوم صرف ایک لفظ اھبطوا میں پوشیدہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ آدم وحوا سے فرمایا گیا "اھبطوا" اور اسی تسلسل میں فرمایا گیا اھبطا منھا جمیعًا (البقرہ ۳۶-۳۹) تم سب نیچے اُترو۔ آخر یہ دو دفعہ اخراج کیوں ہوا۔ اس میں یہ وقفہ بھی موجود ہے کہ جو آدم وحوا کے صرف دو ہونے اور اس کے بعد اہل وعیال سمیت نکلنے کے درمیان فطرت کا تقاضا ہے اور یہ بال بچے آسمانی جنت میں نہ پیدا ہوئے نہ نکالے گئے۔ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جمیعًا سے مراد آدم۔حوا۔ ابلیس۔ سانپ اور مور کے لیے استعمال ہوا، یہ بالکل بے معنی بات ہے، اس لیے کہ یہ سب ہم جنس نہیں ہیں۔ یہ کہ سانپ اور مور اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔ کوئی نصِ قرآنی موجود نہیں اور پھر عربی اس قدر فصیح زبان ہے کہ چار اور پانچ کے عدد کے لیے الفاظ موجود ہیں "جمیعًا" اچھی خاصی انسانی تعداد کی طرف واضح اشارہ کر رہا ہے۔ پھر یہ بھی زیرِ غور رہنا ضروری ہے کہ ایک جگہ اھبطوا کہنے کے ساتھ ہی خداوندِ کریم نے فرمایا کہ نیچے جا کر کھیتی باڑی کرو۔ اب تم میں سے بعض بعض کے دشمن رہیں گے۔ ظاہر ہے جہاں زر، زمین اور زن موجود ہوں گے، جھگڑے لازماً ہوں گے۔ ہابیل وقابیل کا جھگڑا بھی زمین اور زن سے تعلق رکھتا تھا۔ اھبطوا کے ساتھ اخرج کا استعمال دعوتِ فکر ہے۔

اب یہ طے کر لینے کے بعد کہ حضرت آدم کو آسمانی جنت میں نہیں بلکہ جنتِ ارضی میں سنی ہوئی مٹی سے بنایا گیا اور یہیں ان کو اور حوا کو پہلے ازراہِ عنایت اس باغ سے نکالا گیا جو برباد ہونے والا تھا

اور پھر دوسری دفعہ مع ان کی اولاد کے اس جزیرے سے نکالا گیا جہاں کبھی یہ خوب صورت باغ تھا، اور وہ جزیرہ جو اب سمندری آتش فشاں پہاڑوں کی وجہ سے ڈوبنے والا تھا، بچا کے نکال لیا گیا۔ جنت ارضی کو قدیم مفسرین میں سے کچھ نے تسلیم کیا ہے، مگر جو نشان دہی انھوں نے کی ہے وہ بے بنیاد ہے، مثلاً لنکا، یمن، عراق اور کشمیر وغیرہ۔ یہ زمینیں آج بھی موجود ہیں اور یہاں آدم کی اولاد رہتی ہے، تو پھر نکلنے کے کیا معنی ہوئے اور اگر مفہوم یہ تھا کہ ان کو آسمان سے نیچے پھینکا گیا اور وہ ان علاقوں میں الگ الگ گرے اور پھر ملے تو یہ بات پہلے ہی رد کی جا چکی ہے۔ جگہ وہ ہونی چاہیے جو قرآن کے بیان پر پوری اترے، اور میں ایسی جگہ کی نشان دہی کر رہا ہوں۔

ابتدا میں جب زمین وجود میں آئی تو وہ سطح آب پر تیرتی ہوئی ایک ٹھالی کی طرح تھی اور ابھی براعظم وجود میں نہیں آئے تھے بعد ازاں زیر زمین اور سمندروں کی تہہ میں آتش فشاں مادوں کی وجہ سے یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور یہ ٹکڑے جو براعظم کہلاتے ہیں، تیرتے ہوئے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہو گئے۔ ان براعظموں کے کنارے اس طرح کے ہیں جو ایک دوسرے میں پیوست ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی طرح کے پودے، پھول، پھل اور عظیم الجثہ جانور اسی حادثے کی یادگار ہیں۔ کیوں کہ بعد میں یہ چیزیں سمندر پار نہیں آ جا سکتی تھیں۔ اس کرۂ ارضی پر سب سے خوب صورت اور اچھا علاقہ وہ تھا جو بحر اوقیانوس میں واقع تھا اور اس کو اٹلانٹس (ATLANTIC) کہتے تھے۔ یہ جگہ ساحل اندلس سے تقریباً چھ سو میل تھی۔ اس کا ذکر سب سے پہلے یونان کے حکیم سولن نے چھ سو قبل مسیح میں مصری علما سے سنا۔ سب سے پہلے انسان اور اس کی اولاد کی تاریخ آغاز سے مصری تاریخ کے آغاز تک قدیم مندروں کے ستونوں پر لکھی ہوئی تھی۔ سولن نے یہ داستان واپس آنے کے بعد اپنی اولاد کو سنائی اور ان سے لوگوں نے سنی۔ افلاطون نے اپنے مکالمات میں ان کا بیان شامل کیا ہے۔ سولن کو جو بیان مصری علما نے دیا تھا، وہ کچھ یوں تھا۔

قدیم زمانے میں ایک بہت بڑا طوفان آیا تھا۔ اس طوفان سے پہلے دنیا کی جو حالت تھی وہ کسی کو معلوم نہیں، سوائے مصریوں کے، کیوں کہ انھوں نے وہاں کی تاریخ کو فوراً قلم بند کر لیا تھا۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف ایک بڑا طوفان آیا تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ بہت بڑے بڑے طوفان کئی بار آئے۔ انسان کے وجود میں آنے کے بعد اس کا پہلا مسکن اٹلانٹس تھا۔ یہ براعظم ایشیا اور لیبیا

کے مجموعی رقبے کے برابر تھا۔ یہ لوگ بڑے طاقت ور اور دانش مند تھے۔ انھوں نے نہایت خوب صورت نہری کھودی تھیں، پل بنائے تھے، عمارتیں پتھر کی بنائی گئی تھیں، سجاوٹ کے لیے سونا اور ہاتھی دانت استعمال کیے جاتے تھے۔ وہ لوگ بہت اچھے تھے اور آپس میں جنگ نہیں کرتے تھے۔ وہ دنیاوی مال و دولت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ دولت نیکی سے بڑھتی ہے۔ جو لوگ دولت سے محبت کرتے ہیں، ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ یہاں ایک بہت بڑا باغ تھا جو پہاڑ پر واقع ہونے کی وجہ سے ایک آتش فشاں کے پھٹنے سے تباہ ہو چکا تھا، مگر یہ سرزمین بڑی سرسبز و شاداب تھی۔ ہر شے افراط سے ہوتی تھی، ہر وقت خوش گوار ہوا چلتی رہتی تھی اور یہاں موسم تبدیل نہیں ہوتے تھے اور بالآخر یہ براعظم ساڑھے نو ہزار سال قبل مسیح میں سمندر کے اندر غرق ہو گیا۔

سٹینر (STEINER) نے اپنی کتاب "ATLANTIS AND LEMURIA" میں قدیم ریکارڈ کے حوالے سے بتایا ہے کہ اٹلانٹس میں رہنے والے آج کے آدمی سے ذہنی اور جسمانی طور پر بہت مختلف تھے۔ ان کو قدرت نے بڑی عجیب و غریب یادداشت اور ذہنی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔ وہ حساب میں بڑے ماہر تھے اور وہ چیزوں کو ہوا میں اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کے لیے وہ مشین استعمال نہیں کرتے تھے۔ ہاں خود اپنے سفر کے لیے ان کے پاس ایسے ذرائع موجود تھے کہ وہ فضا میں سفر کر سکتے تھے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے گزر کر دوسری طرف جاتے تھے۔ وہاں ایک وسیع باغ تھا جس میں چیزیں خود بہ خود ہی آدمی کی ضرورت اور مرضی کے مطابق بڑی مقدار میں اُگ جاتی تھیں۔

... صدیوں تک اٹلانٹس کو ایک کہانی قرار دیا جاتا رہا، لیکن موجودہ دور کی تحقیقات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ بحر اوقیانوس میں اٹلانٹس کبھی سطح آب پر موجود تھا جو اب میلوں گہرائی میں نظر آتا ہے۔ سائنس دانوں کے خیال میں بحر اوقیانوس دنیا کا سب سے بڑا طوفانی علاقہ ہے۔ امریکہ کی ایک سمندر میں تار بچھانے والی کمپنی نے ۱۹۶۳ء میں یہ ایک انکشاف کیا تھا کہ سمندر کی تہہ پانچ سال میں ۲½ میل اونچی ہو گئی ہے اور کبھی کبھی اتنی ہی نیچے بھی چلی جاتی ہے اور یہ عمل سمندر کی تہہ میں آتش فشاں مادوں سے ہوتا ہے۔ اس بات کا بھی ثبوت ملا ہے کہ اٹلانٹس کے

پہاڑ کبھی پانی کے اوپر تھے۔

تمام بحث کا نچوڑ یہ نکلتا ہے کہ سب سے پہلا انسان، اس کی بیوی اور بچے جنتِ ارضی یعنی اٹلانٹس میں رہتے تھے۔ وہاں پہلی بار میاں بیوی جنتِ ارضی سے جو پہاڑ پر تھی، نیچے آئے۔ بچوں نے کھیتی باڑی کی اور جب اٹلانٹس ڈوبنے لگا تو اللہ نے پھر ان کو بچا کر ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ قرآن حکیم کا بیان اھبطوا اور پھر اھبطوا منھا جمیعا قطعی طور سے صحیح ہے، کوئی سمجھ نہ سکے تو یہ الگ بات ہے۔

الفہرست

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق — اردو ترجمہ: محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم وفنون، سیر ورجال اور کتب ومصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود ونصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزولِ قرآن، جمع قرآن اور قرائے کرام، فصاحت وبلاغت، ادب وانشا اور اس کے مختلف مکاتبِ فکر، حدیث وفقہ اور اس کے تمام مدارسِ فکر، علمِ نحو، منطق وفلسفہ، ریاضی وحساب، سحر وشعبدہ بازی، طب اور صنعتِ کیمیا وغیرہ تمام علوم، ان کے علما وماہرین اور اس سلسلے کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیوں کر عالمِ وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے، ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ نیز بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کی تحریر وکتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی وارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان زبانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیے گئے ہیں۔

ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اور جگہ جگہ ضروری حواشی بھی دیے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

صفحات ۹۴۶ مع اشاریہ — قیمت ۴۵ روپے

ملنے کا پتا: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور